© rasailojaraid.com

سفر نامہ

حافظ راشد الحق حقانی

ذوق پرواز

قسط نمبر 2

بازیچہ اطفال ہے دنیا میرے آگے
ہوتا ہے شب و روز تماشہ میرے آگے

دی ہگ جیسے ڈین ہگ بھی کہتے ہیں۔ہالینڈ کا سابقہ دارالخلافہ ہے۔ہالینڈ میں میرا مستقل مستقر اور قرارگاہ یہی شہر رہا۔ یہ خاموش صاف ستھرا، اور خوبصورت ترین شہر ہے۔ عالمی عدالت کا صدر دفتر بھی اسی شہر میں واقع ہے۔ اس شہر کو یورپ کا سب سے بڑا گاؤں بھی کہتے ہیں۔اس وجہ سے کہ اس شہر میں روایتی شہروں کی طرح شورشرابا چہل پہل اور بہت زیادہ رش نہیں ہے۔یورپ کے باقی شہروں کی نسبت سب سے مختلف اور جدا ہے۔ اس شہر میں پارلیمنٹ ہاؤس کی پرانی بلڈنگ بھی دیکھنے کے قابل ہے۔اور اسی کے ساتھ ساتھ کوئین کا محل بھی خوبصورت ہے۔ لیکن یہاں کی سب سے بڑی شاہکار اور خوبصورت ترین بلڈنگ یہاں کی میونسپل کمیٹی کا ہال ہے۔ یہ ایک ایسی بلڈنگ ہے جہاں پر درودیوار سے لیکر چھت تک شیشہ ہی شیشہ ہے۔اور فن شیشہ گری کا ایک ایسا نمونہ ہے،جس کی نظیر دنیا بھر کے بڑے بڑے خوبصورت ترین شہروں میں نہیں ملتی۔ اور اس میں گھنٹوں کا ایک ایسا نظام ہے کہ عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے۔

دی ہگ میں ہمارے میزبان محترم جناب اشفاق خان لائق صاحب تھے۔ ان کے اخلاص اور محبت نے نہایت ہی متاثر کیا۔ اور پردیس میں اجنبی ہونے کا گمان تک نہ ہوا۔ یہ گھرانہ تقریباً اٹھارہ بیس سال سے یہیں مقیم ہے۔ جناب اشفاق صاحب پندرہ سولہ افراد پر مشتمل گھرانے کے سربراہ ہیں۔ یہاں پر ایک خاص بات اور ایک خاص نکتہ یہ ہے کہ انھوں نے ماشاءاللہ اپنے چھوٹوں کی ایسی پرورش اور تربیت کی ہے کہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ یورپ میں پلے بڑھے ہیں۔ خصوصاً ان نوجوانوں کی اعلیٰ اخلاق اور ادب نے مجھے بہت متاثر کیا۔میں نے یورپ کے مختلف ممالک میں رہنے والے پاکستانیوں کے حالات اور واقعات اور گھریلو طرز زندگی کو نہایت قریب اور غور سے دیکھا تو میں نے محسوس کیا کہ ان میں اکثریت کی اولاد وہاں کے ماحول اور یورپ کی تہذیب و تمدن سے نہایت ہی متاثر ہوئی ہے۔اور نتیجتاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

والدین انتہائی سخت پریشانی اور تکلیف میں ہیں۔ نہ تو ان کو یہ لوگ وہاں کے خراب ماحول سے بچا سکتے ہیں نہ ہی اپنے بچوں کو ڈانٹ سکتے ہیں۔ اور نہ ہی مار سکتے ہیں۔ کیونکہ یورپین ممالک کے قوانین اور قانونی ادارے والدین کو یہ حقوق نہیں دیتے کہ وہ اپنے بچوں کے ساتھ زبردستی کریں۔ تو اسی بنا پر مسلمانوں کی اولاد ہر لحاظ سے تباہی کے راستے پر چل پڑی ہے۔ ان لوگوں کا المیہ بھی بڑا ہی عجیب ہے۔ کیونکہ یورپ والے ان کو اپنا نہیں سمجھتے، بلکہ نسلی تعصب کی بنا پر نہایت ہی برا سلوک کرتے ہیں۔ اور پھر پاکستانی اور مشرقی معاشرہ بھی ان کو قبول نہیں کرتا۔ نتیجہ یہ کہ

نہ خدا ہی ملا نہ وصال صنم ——— نہ ادھر کے رہے نہ ادھر کے رہے

یہ ایک ایسا دل خراش اور سنجیدہ موضوع ہے۔ کہ اس پر بہت کچھ لکھا جا سکتا ہے۔

ایسے ماحول اور ایسے حالات میں اللہ تعالیٰ کسی کسی کو توفیق دیتا ہے۔ اگر انسان قصد و ارادہ کرے ناساز گار ماحول بھی اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ اور دنیا کی تمام طاقتیں بھی انسان کی طبعیت و ماہیت پر اثر انداز نہیں ہو سکتیں۔

ہگ میں دو دن میری آمد کو ہوئے تھے۔ صبح جمعہ کا دن تھا۔ ہم لوگ نماز پڑھنے کے لئے مسجد دارالسلام گئے۔ جو شہر کے وسط میں ہے۔ امام صاحب نے بہت اچھا خطبہ دیا۔ مسجد میں نمازی بہت زیادہ تھے۔ اور بالخصوص نوجوانوں کی اکثریت نظر آئی۔ ان لوگوں میں ہر نسل اور ہر ملک کے لوگ تھے۔ عرب بھی تھے۔ عجم بھی تھے۔ افریقن بھی تھے۔ ایشین بھی تھے۔ الغرض ہر طرح کے لوگ یہاں موجود تھے۔ ان میں اگر کوئی قدر مشترک بات تھی تو وہ صرف اسلام کا مقدس رشتہ اور اسلامی بھائی چارہ تھا۔ جس نے سب کو ایک جگہ پر ایک خدا کی عبادت کرنے کے لئے ایک ایسے ملک میں جمع کیا تھا۔ جو ہر لحاظ سے مادر پدر آزاد بے لگام اور مذہب سے بیگانہ ملک ہے۔ امام صاحب نے ان کو نہایت مناسب انداز میں احکام و مسائل کے بارے میں خطبہ دیا۔ یقین جانیئے کہ مسجد میں نماز پڑھتے وقت جو لطف اور سرور محسوس ہوا۔ بیان سے باہر ہے۔ اور دل خوش ہوا۔ کہ الحمدللہ اسلام ہر جگہ اپنی حقانیت اور وسعت کی بنا پر قائم و دائم ہے۔ یہاں یہ بات بھی انتہائی حوصلہ افزا اور اطمینان بخش ہے کہ یورپ میں اسلام دیگر مذاہب و ادیان کے مقابلے میں زیادہ تیزی سے پھیل رہا ہے۔ اور شجر اسلام روز بروز بار آور ہوتا رہا ہے۔ خصوصاً پیرس اور لندن میں تو میں نے بہت زیادہ مشاہدہ کیا ہے اور محسوس کیا ہے۔ ہالینڈ میں مختلف اسلامی سنٹرز کی سرگرمیاں جاری ہیں۔ ان میں عرب اور ترکوں کے ساتھ ساتھ جناب پروفیسر طاہر القادری نے بھی بہت کام کیا ہے۔ اور جدید انداز میں وسائل کی فراہمی کے ساتھ مختلف سنٹرز چلا رہے ہیں۔ پروفیسر صاحب نے پیرس اور لندن میں سنٹرز کھولے ہیں۔ اور یورپ میں کام کر رہے ہیں۔ یہ اسلام کے لئے اچھی بات ہے۔ لیکن ساتھ ہی افسوس بھی ہوا کہ پروفیسر صاحب یہاں پر بھی مخصوص قسم کے ذہن اور مسلک کی ترویج میں مصروف ہیں۔

حالانکہ وہاں پر ان ثانوی اور فروعی اختلافات کا ذکر نہیں کرنا چاہیئے تھا۔ اس کی ساتھ ساتھ الحمدللہ تبلیغی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جماعت والوں نے کافی کام کیا ہے۔ اور کر رہے ہیں۔ اور اس کے اثرات انشاءاللہ جلد ظاہر ہونگے۔ لیکن پھر بھی بہت زیادہ کام کی ضرورت ہے۔ اس کاز اور مشن کے لئے بہت سارے علماء فضلاء جدید علوم اور مقامی زبانوں اور وہاں کے مسائل سے آگاہ ماہر افراد کو بھیجنا چاہیئے۔ اگر عالم اسلام نے یورپ پر تھوڑی بھی توجہ دی اور باقاعدہ کام کیا۔ جیسا کہ عیسائیوں کی مختلف مشنریز اور تنظیمیں اور مستشرقین کی سرگرمیاں مسلمان ممالک میں جاری رہتی ہے۔ اور حکومتیں اور مخیر افراد ان مشنریز اور تنظیموں کو بہت زیادہ فنڈز دیتی ہیں۔ یورپ میں اسلام اور تبلیغی کام کے لئے اگر مسلمان ممالک کی حکومتیں ذرہ بھی توجہ دیں تو انشاءاللہ یورپ میں اسلام کا بول بالا کا۔ کیونکہ وہاں کی اکثریت مادیت اور عیسائیت کے ہاتھوں پریشان ہے۔ اور سکون اور حق کے حصول کے خاطر ادھر ادھر یہ لوگ بھٹک رہے ہیں۔ اگر اس عالمگیر مذہب (اسلام) اور دین فطرت کی تعلیم صحیح انداز میں پیش کی گئی۔ تو ایک عظیم تعداد راہ راست مستقیم پر آسکتی ہے۔ یہ بھی ایک سنجیدہ موضوع ہے۔ اور اس پر اور بہت کچھ لکھنا چاہتے۔ مگر یہ مقام اسکی اجازت نہیں دیتا۔ (آمدم برسر مطلب)

جمعہ کی نماز پڑھنے کے بعد شہر کے سیر کرنے کے لئے ہم لوگ شہر کے مختلف حصوں میں گئے۔ راستے میں ہی ایک دوسری مسجد سے گزر ہوا۔ تو ہمارے میزبانوں نے مجھ پر یہ خوشگوار انکشاف کیا۔ کہ مسجد کے مولانا صاحب دارالعلوم حقانیہ کے فارغ التحصیل ہیں۔ اور بلوچستان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور کافی عرصے سے مسجد میں خطیب اور بچوں کو پڑھا رہے ہیں۔ یہ سن کر بہت خوشی ہوئی کہ الحمدللہ دارالعلوم حقانیہ کی شکل میں حضرت دادا جان نے جو مشعل حق جلائی تھی۔ آج اس کی ضیا پاشیوں سے کرہ عالم کا چپہ چپہ روشن ومنور اور مستفید ہو رہا ہے۔ آج دارالعلوم حقانیہ کے فضلاء دنیا بھر میں اسلام کی خدمت کرنے کے لئے ہر سو پھیلے ہوئے ہیں۔ چاہے پاکستان میں دینی واسلامی مدارس کا قیام ہو یا مذہبی سیاست کا میدان، علمی اور ادبی جولانگاہ ہوں یا افغانستان کی پہلی اسلامی مملکت کے حکمرانی اور قیادت وسیادت ہو عسکری محاذ ہوں۔

خیر ایک دو روز شہر کی تفریح وغیرہ میں گزر گئے۔ تو میں نے اپنے میزبانوں کو اپنا پروگرام بتایا۔ کہ میں صرف مزید دس دن تک آپ کے ہاں ٹھہرونگا اور بعد میں دیگر ممالک کیلئے روانہ ہونگا۔ تو پہلے ان کو یقین نہیں آرہا تھا کہ صرف اتنے تھوڑے سے دنوں کیلئے ----- ؟ یہاں پر تو لوگ آکر مہینوں ٹھہرتے ہیں۔ لیکن میرے اصرار اور مجبوری نے ان کو ہتھیار ڈالنے پر مجبور کردیا۔ اور سیر وتفریح کا ہنگامی اور ایمرجنسی بنیادوں پر نقشہ ترتیب دیا گیا۔ چنانچہ میزبانوں نے چند دنوں میں ہی ہالینڈ اور اس کے باہر گردونواح کے تاریخی مقامات اور بڑے بڑے شہروں کی سیر کرائی۔ دی ہیگ میں ایک بہت ہی خوبصورت حیرت انگیز اور قابل دید تفریح گاہ مادھوروڈم پارک ہے۔ یہ ایک ایسی جگہ ہے جو بیان اور الفاظ کی بجائے خود مشاہدہ اور دیکھنے کی چیز ہے لیس الخبر کالمعاینہ کے مطابق اس کے لئے عین الیقین لازمی ہے۔

میرے میزبانوں نے اس جگہ کی بہت تعریف کی تو پروگرام کے مطابق صبح کو جانا قرار پایا۔ محترم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

طاہر صاحب، منظور صاحب اور سہیل صاحب کی رفاقت میں ہم لوگ ٹرام (Traam) کے ذریعے وہاں پہنچے یہ ایک ریل نما گاڑی ہوتی ہے۔ جو پانچ چھ ڈبوں پر مشتمل ہوتی ہے۔ ہالینڈ کے تمام بڑے شہروں میں یہ چلتی ہے۔ انتہائی صاف خوبصورت آرام دہ ڈبے ہوتے ہیں۔ ہمارے ہاں کی روایتی گاڑیوں کا شور وغل اس میں نہیں ہوتا۔ اس کے ذریعے پلک جھپکتے ہی آپ شہر کے کسی بھی حصہ میں پہنچ سکتے ہیں۔ ہر ایک کلو میٹر کے بعد اس کا ایک سٹاپ ہوتا ہے۔ ہر پانچ دس منٹ بعد دوسری کوئی نہ کوئی گاڑی آپ کو مل سکتی ہے۔ ٹکٹ آپ کو گاڑی میں ہی مل سکتا ہے۔ خود کار مشین کے ذریعے سے۔ آپ کو باہر سٹیشن یا ڈاکخانہ سے ہفتے یا پھر مہینے تک کا ٹکٹ رعایتی پیسوں پر مل سکتا ہے۔ میں نے اسکندریہ میں بھی ٹرام گاڑی میں سفر کیا ہے۔ لیکن ہالینڈ اور پھر خصوصاً ہیگ کی ٹرام سب سے بہتر اور تیز رفتار ہے۔

مادھوراڈیم جو آرکیٹیکٹنگ اور فن تعمیر کا شاہکار نمونہ ہے۔ ایسی جگہ میں نے دنیا کے بارہ تیرہ ممالک میں نہیں دیکھی۔ آپ جیسے ہی اس پارک کے صدر دروازے سے اندر داخل ہونگے اور آپ کی نظر پارک میں واقع عمارتوں پر پڑے تو انسان حیرت میں پڑ جاتا ہے۔ کہ میں کہاں آگیا ہوں۔ چھوٹے سے خطہ میں آپ کو ہر جانب عمارتیں، بلڈنگیں، بندرگاہیں، سمندری جہاز، ائیر پورٹ، ہوائی جہاز، ریل گاڑیاں، کارخانے تاریخی چرچ، پودوں کی نرسریاں الغرض اس (کارخانہ حیرت) میں آپ کو ہر جنس ہر نوع کی چیزیں نظر آئیں گی۔ لیکن یہ سب کچھ اور بڑی بڑی عالی شان عمارتیں فقط آپ کے گھٹنے کے برابر ہونگی یا زیادہ سے زیادہ قد آدم کے برابر ہونگی۔ قارئین کرام! آپ سمجھ رہے ہونگے کہ یہ عمارتوں کے مروجہ ماڈل ہونگے۔ جی نہیں۔ بلکہ واقعتاً یہ عمارتیں ہی ہیں۔ لیکن ایسے عجیب طریقے سے بنائی گئیں ہیں کہ دور سے ماڈل نظر آتی ہیں۔ لیکن قریب جائیں تو اصلی عمارت ماڈل کے۔ جائے آپ کے سامنے ہوگی۔ بڑے بڑے مینار، بڑے بڑے پل انتہائی چھوٹے بنائے گئے ہیں۔ اگر ان عمارتوں کے ساتھ تصویر نکالی جائے تو دیکھنے والے بالکل یقین نہیں کریں گے۔ کہ عمارت اتنی چھوٹی اور آپ کا قد اس سے کئی گنا زیادہ بڑا کیسے ہو سکتا ہے؟ میں بھی حیرانی کے عالم میں سارے پارک میں گھومتا رہا۔ سیاحوں کے لشکر کے لشکر اس عجوبے کو دیکھنے کے لئے امڈ آئے تھے۔ جب سارا پارک دیکھ لیا تو محترم طاہر مجھے پارک کے تہہ خانے میں لے گئے جو خود ایک تاریخی چیز ہے۔ یہاں پر آپ کو دیو قامت انسانی بت نظر آئیں گے۔ کہیں بڑے بڑے دیوتا ہونگے، کہیں جانوروں کے مجسمے۔ تعجب کی بات یہ ہے کہ ان کی تعمیر میں صرف سمندر کی ساحلی ریت استعمال ہوئی ہے۔ کوئی پتھر کوئی مصالحہ اس کی تعمیر میں استعمال نہیں ہوا۔ انہوں نے اوپر تو انجینئرنگ اور آرکیٹکٹنگ اور جدید ٹیکنالوجی کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور دوسری طرف ریت سے بنائی ہوئیں بڑی بڑی چیزیں تعمیر کی ہیں۔

اس صنم خانہ کا "طواف" کر لیا تو حیرت میں غالب کا یہ شعر زبان پر آگیا۔

دیکھئے پاتے ہیں عشاق بتوں سے کیا فیض ؎
اک برہمن نے کہا ہے کہ یہ سال اچھا ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مادھوراڈیم کی دونوں جگہیں قابل دید ہیں ۔ پارک کی تفریح کے بعد ہم لوگوں کو بھوک ستا رہی تھی ۔ پارک کے ریسٹورنٹ میں دوپہر کا کھانا کھایا ۔ جہاں دنیا جہان کی چیزیں سجی ہوئی تھیں ۔ لیکن ہم لوگ صرف آلو کی چپس وغیرہ اور سلاد کے کھانے پر اکتفاء کرسکتے تھے کیونکہ دیگر چیزوں میں پیگ (سور) کے استعمال کا خطرہ تھا ۔

یورپ میں یہ احتیاط کرنا لازمی ہے ۔ ورنہ اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں انجانے میں آپ اس (نجس العین) کا (لقمہ تر) کھانہ لیں ۔ گھر سے باہر سارے یورپ میں تقریباً (رمضانی کیفیت) سے دوچار رہا ۔ ۔ ۔ عصر تک گھر واپسی ہوئی ۔ چند گھڑی آرام کیا ۔ ظہر کی نماز پڑھی ۔ شام کے وقت طبیعت تھوڑی سی مرجھائی ہوئی تھی اور کچھ بے چینی سی محسوس ہو رہی تھی ۔

یوں سر شام بجھا سا رہتا ہے　　　دل ہے گویا چراغ مفلس کا

ہمارے میزبان محترم جناب اشفاق صاحب نے مجھ سے کہا کہ چلئے باہر چلتے ہیں ۔ میں نے کہا کہ طبیعت ٹھیک نہیں ۔ لیکن آپ اپنے ساتھ گاڑی میں لے گئے ۔ اب جو تھوڑا فاصلہ طے کیا تو یخ بستہ ہوا کے جھونکوں نے استقبال کرنا شروع کیا ۔ جب تھوڑے قریب پہنچے تو سامنے سمندر اپنی بانہوں میں لاکھوں موجوں کے ساتھ کھیلتا ۔ جھومتا ہوا نظر آیا ۔ قریب ہی سینکڑوں ریسٹورنٹ بڑے بڑے فائیو سٹار ہوٹل بنے ہوئے تھے ۔ ہم ساحل کے بالکل قریب بنے ہوئے ریسٹورنٹ میں بیٹھ گئے ۔ ہر میز پر شمعیں روشن تھیں گویا یہ شام ہونے کا اعلان تھا ۔ دراصل ان موم بتیوں کے روشن کرنے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ یہاں پر اندھیرا رات گئے تک نہیں ہوتا ۔ عشاء کے وقت سایہ سا چھانے لگتا ہے ۔

((ہالینڈ وغیرہ میں تو تھوڑا بہت اندھیرا چھا جاتا ہے ۔ لیکن اسکنڈینیوین ممالک میں تو چار چار مہینے رات نہیں ہوتی)) ۔ یہ لوگ اس کو اندھیرے اور شام کا وقت کہتے ہیں ۔ حالانکہ اس وقت بھی کافی روشنی تھی ، کہ عصر کا گمان ہوتا تھا ۔ اور ہم جیسوں کے لئے ان کی اس پھیکی اور بے مزہ و بے رنگ و بے کیف شام میں کوئی دلچسپی نہ تھی ۔ جن لوگوں کو "مشرقی شاموں کا خمار چڑھا ہو" جو طلوع و غروب آفتاب ۔ شفق ۔ اور دھنک کے رنگوں کے عادی ہوں ۔ وہ مغرب کی اس "غیر فطری" اور "مصنوعی قسم" کی شاموں پر کیسے قناعت کرسکتے ہیں ۔ اصل لذت و لطف اور ذائقہ آپ کو یورپ میں نہیں ملے گا ۔ چاہے پھل فروٹ ہوں یا سبزیاں ہوں یا دیگر کھانے پینے کی اشیاء ان میں وہ لذت ، مٹھاس اور چاشنی نہیں ہوتی جو مشرق کی سرزمین کی خاصیت ہیں ۔ مشرقی سرزمین زمین سے نکلنے والی ہر چیز قدرتی و طبعی ہوتی ہے ۔ لوگ بھی (باکمال ہوتے ہیں ۔) مشرق کی کشش نے ہی اہل مغرب کو اس کے خزانوں سے فائدہ اٹھانے کیلئے اس طرف آنے پر مجبور کیا تھا ۔ مشرق اور مغرب کے حوالہ سے گفتگو آگے چلتی رہے گی ۔

سمندر کے کنارے طوفانی ہوائیں چل رہی تھیں ۔ سردی کی وجہ سے لوگوں کی تعداد کم تھی ۔ ہم کافی دیر تک ادھر ادھر گھومتے رہے ۔ طبیعت میں کافی فرق محسوس ہو رہا تھا ۔ دریا ، سمندر ، پانی ، سبزہ میری کمزوری ہیں ۔ کسی نے ان کا نام لیا اور میں فوراً سندباد کی طرح آمادہ سفر ہو گیا ۔

سبزہ و گل موج دریا انجم و خورشید و مہ　　　اک تعلق سب سے ہے لیکن رقیبانہ مجھے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ساحل سمندر (بیچ) بھی ان کا سلیقہ سے بنا ہوا تھا۔ نظارہ کرنے کیلئے ہر جانب خوبصورت بینچ بنے ہوئے تھے۔ راہ گیروں کیلئے فٹ پاتھ بھی تھے۔ ہمارے محترم میزبان نے بتایا کہ یہاں پر بڑے بڑے قمار خانے (Casino) بھی ہیں۔ اور ان میں دولت لٹانے کیلئے دنیا جہاں سے لوگ آتے ہیں۔ ان میں سر فہرست اور پیش پیش عرب حضرات ہوتے ہیں۔ لاکھوں کروڑوں روپے یہ بدبخت راتوں میں لٹا دیتے ہیں۔۔ یہاں کے ہوٹلوں، کلبوں اور جوا خانوں کی تمام تر کمائی اور رونق عربوں کے دم خم سے ہے اگر یہ لوگ عیاشی کے لئے ادھر کا رخ نہ کریں تو ان کے سب قمار خانے وغیرہ بند ہو جائیں

عربوں کی خرمستیاں میں نے پیرس، لنڈن اور اسکندریہ اور دی ہگ میں اور دیگر بہت سے شہروں میں دیکھیں اور سنیں۔ کاش یہ لوگ اپنی دولت عالم اسلام کی ترقی و تعمیر اور رفاع عامہ اور یورپ میں اسلام کی اشاعت و تبلیغ پر صرف کرتے تو بہتر تھا۔ (اگر چہ تھوڑا بہت کام سعودی عرب اور دیگر عرب ممالک کر رہے ہیں لیکن وہ کم ہے)۔ انہوں نے یورپ خصوصاً لنڈن اور پیرس میں ایسے ایسے محلات تعمیر کیئے ہیں اور ایسی شاہانہ زندگی بسر کر رہے ہیں۔ کہ تاریخ انسانی میں ایسے کروفر اور پر تعیش طرز زندگی کا نظارہ چشم فلک نے کم ہی دیکھا ہو گا۔

اس بیچ پر سب سے بڑے قمار خانوں، ہوٹلوں کی چاندنی ان نام کے مسلمانوں کی وجہ سے تھی۔ میں دیر تک سر جھکائے شرمندگی اور ندامت کے سمندر میں غرق رہا۔ فرزندان اسلام اور عربوں کی غیرت وحمیت تماشائے عبرت بنی ہوئی تھی۔ ایک وقت تھا کہ جب ان کے آباؤ اجداد کے شاندار کارناموں اور صاف و پاکیزہ کردار کی وجہ سے یہ دنیا کے لئے رشد و ہدایت کے آفتاب بنے ہوئے تھے۔ اور اب وقت آپہنچا ہے۔ کہ ایسی جگہوں اور ایسی کاموں کے ساتھ ان کا نام لازمی طور پر آتا ہے۔

وضع میں تم ہو نصاریٰ تو تمدن میں ہنود
یہ مسلماں ہیں جنہیں دیکھ کے شرمائیں یہود

انہی کے بزرگوں نے یورپ، بلقان، سپین، سسلی وغیرہ میں اپنے اعمال و کردار کی وجہ سے اہل یورپ کو انسانیت کا درس دیا تھا۔ اور سینکڑوں ہزاروں برس سے جہالت کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا یورپ ان قدسی صفات بزرگوں کی تعلیم، دعوت اور تہذیب و تمدن کی بدولت انسانیت کی راہ پر گامزن ہوا اسلام اور عربوں کی آمد سے قبل یورپ کی کیا حالت تھی؟۔ رابرٹ بری فالٹ لکھتے ہیں۔

"پانچویں صدی سے لے کر دسویں صدی تک یورپ پر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی، اور یہ تاریکی تدریجاً زیادہ گہری اور بھیانک ہوتی جارہی تھی۔ اس دور کی وحشت و بربریت زمانہ قدیم کی وحشت و بربریت سے کئی درجہ زیادہ بڑھی چڑھی تھی، کیونکہ اس کی مثال ایک بڑے تمدن کے لاش کی تھی، جو سڑ گئی ہو۔ اس تمدن کے نشانات مٹ رہے تھے، اور اس پر زوال کی مہر لگ چکی تھی۔ وہ ممالک جہاں یہ تمدن برگ و بار لایا اور گذشتہ زمانہ میں اپنی انتہائی ترقی کو پہونچ گیا تھا، جیسے اٹلی، فرانس، وہاں تباہی، طوائف الملوکی اور ویرانی کا دور دورہ تھا۔" (تاریخ دعوت و عزیمت ۱۰۸ حصہ ۴)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آج یورپ کی تمام سائنسی و تعلیمی کامیابیوں کے پیچھے مسلمان حکماء و علماء اور سائنسدانوں کا کردار شامل ہے۔ مثلاً ابن عربی، ابن رشد، ابو ریحان، ابن سینا، ابن خلدون، ابو حیان اور علامہ عبدالبر وغیرہم کو یہ لوگ نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ابن عربی کی فلسفہ الہیات پر یورپ میں کام ہو رہا ہے۔ ابن عربی نے مغرب کو کتنا متاثر کیا ہے ۔ اس بارے میں جرمن کے مشہور مستشرق بروکلمان نے شیخ اکبر ابن عربی کو دنیا کا سب سے بڑا زرخیز ذہن اور دماغ قرار دیا۔ وہ ابن عربی کو سب سے بڑا وسیع الخیال اور وسیع المشرب عالم قرار دیتا ہے۔ اسی طرح یورپ کے بہت بڑے عظیم شاعر اور ادیب و مفکر دانتے بھی انہی سے متاثر ہیں۔ اور اسکی زندہ جاوید مثال شہرہ آفاق کتاب ڈی وائن کامیڈی ہے۔ یورپ کو علم و ہنر اور تہذیب و تمدن عطاء کرنے میں عربوں کی حکومت جو سپین میں (711ء تا 1496ء) تک قائم رہی۔ اس نے کافی اثر کیا۔ اور آج سپین، روم، فرانس، برطانیہ اور جرمنی کی بڑی بڑی علم و ادب کی دانش گاہوں میں انہی کے افکار و نظریات اور ابتدائی خد و خال پر کام ہو رہا ہے۔

ہالینڈ میں مسلمان :-

ہالینڈ کے مسلمان اچھی خاصی تعداد میں ہیں۔ جن کی بڑی تعداد مراکش اور ترکوں کی ہے۔ تیسرے نمبر پر پاکستانی و ہندوستانی ہیں۔ یہاں مساجد بھی کافی تعداد میں موجود ہیں۔ جو اکثر لوگوں نے بڑے بڑے ہال اور مکانات کرائے پر لیکر ان کو مساجد کی شکل میں تبدیل کیا ہے۔ خصوصاً عربوں اور ترکون نے اچھی مساجد بنائی ہیں۔ ہم نے ایک نماز جمعہ عربوں کی مسجد میں بھی پڑھی۔ یہاں پر مسلمان مرد اور عورتیں آپ کو ہر جگہ ہر روڈ اور ہر بس سٹاپ پر مل سکتے ہیں۔ خصوصاً ترک اور مراکش عورتوں کے سروں پر اسکارف اور دوپٹہ نظر آتا ہے۔ بعض عورتیں مکمل پردے میں بھی نظر آتی ہیں۔ الحمدللہ---- اس دیس میں پردہ اور اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہونا یقیناً پل صراط پر چلنے سے زیادہ مشکل اور کھٹن ہے۔ جہاں پر لوگ ضروری لباس پہننے کی بھی حاجت محسوس نہیں کرتے وہاں پر باپردہ ہونا یقیناً بہت بڑی بات ہے۔ اگرچہ مسلمان بچیوں کو وہاں کے اسکولوں میں اسلامی لباس پردہ اور اسکارف کی وجہ سے کافی دشواریاں اٹھانی پڑتی ہیں۔ خصوصاً پیرس میں تو انتہائی تعصب اور سختی کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ خیر یہ تو کرسچیئن ہیں ان کی تہذیب علیحدہ ہے۔ لیکن ستم ظریفی کی ایک انوکھی مثال ملاحظہ ہو۔ کہ مملکت اسلامیہ پاکستان کی سابق وزیراعظم محترمہ بے نظیر بھٹو سرکاری دورے پر پیرس گئیں تو وہاں کی مسلمان عورتوں اور بچیوں نے اس مسئلہ پر تائید طلب کی اور مطالبہ کیا کہ فرنس کی حکومت سے ان کی سفارش کریں۔ لیکن یورپین تہذیب کی دلدادہ اور ان سے مرعوب محترمہ نے ان سے فرمایا کہ تم لوگ یہاں کے قوانین کے مطابق لباس پہنا کرو۔ کوئی ضرورت نہیں خواہ مخواہ اختلاف و علیحدہ تشخص پیدا کرنے کی۔ اور اسی (بے حیائی) میں آپ کی بھلائی ہے۔

کیا کیا خضر نے سکندر سے ۔۔۔ اب کسے راہ نما کرے کوئی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہالینڈ کے مختلف شہروں اور تاریخی مقامات کی سیر جب مکمل ہوئی تو ایک دن ہم نے بلجیم کیلئے نکالا۔ اپنے میزبانوں کے ہمراہ ان کی گاڑی کے ذریعے ہیگ سے صبح ۹ بجے بلجیم کے لئے روانہ ہوئے۔ دی ہیگ سے تقریباً ساڑھے تین گھنٹوں کا راستہ تھا۔ سارے راستے میں چھوٹے بڑے شہر، قصبے اور دیہات آتے رہے۔ جگہ جگہ پر بہت بڑے بڑے پل بھی آئے۔ دریاؤں، نہروں کا ایک جال ہے۔ جو ہر سمت پھیلا ہوا ہے۔ ہر جانب آپ کو پن چکیاں نظر آئیں گی۔ جو بڑا دلکش نظارہ پیش کرتی ہیں۔

جگہ جگہ رکتے ہوئے ہم بلجیم کے حدود میں داخل ہوئے۔ ہماری گاڑی وہاں کے رن وے نما روڈ پر جہاز کی مانند اڑ رہی تھی۔ بلجیم کے چیک پوسٹ پر کوئی مشکل پیش نہیں آئی۔ کیونکہ یورپین ممالک میں معاہدہ ہوا ہے کہ اگر ایک ملک کا ویزہ لگ جائے تو باقی ملکوں میں آسانی سے جایا جاسکتا ہے۔

بلجیم کا علاقہ بھی ہالینڈ کی طرح سرسبز وشاداب ہے۔ اگر بلجیم کا بورڈ بارڈر پر نہ لگا ہوتا تو بلجیم کو میں ہالینڈ ہی سمجھتا۔ یہاں ایک خاص نکتہ یہ ہے۔ کہ اگر آپ نے یورپ کا کوئی بھی ملک دیکھ لیا ہو تو آپ اسی ملک پر باقی یورپ کو قیاس کر سکتے ہیں۔ وہی سبزہ وہی صاف ستھری آب وہوا۔ ایک جیسی عمارتیں ایک جیسے لوگ ملتی جلتی تہذیب ان میں صرف زبانوں کے فرق سے تمیز کیا جاسکتا ہے۔ خیر ہم لوگ بلجیم کے دارالحکومت برسلز پہنچے۔ اس شہر کی خاص بات اور اہمیت کی وجہ یہاں پر یورپین کمیونٹی کا پارلیمنٹ ہاؤس ہے۔ ہم لوگ پہلے پارلیمنٹ ہاؤس کے صدر دروازے پر پہنچے۔ سیکورٹی والوں نے پوچھ گچھ کی تو ہم نے بتایا کہ ٹورسٹ ہیں۔ اور پارلیمنٹ ہاؤس دیکھنے کے لیے آئے ہیں۔ پھر انہوں نے قریب سے دیکھنے کی اجازت دے دی۔ یہ ایک خوبصورت عمارت ہے۔ باہر گیٹ کے ساتھ یورپ کے تمام ممالک کے رنگ برنگ جھنڈے لہرا رہے تھے۔ یہاں پر کچھ دیر گزارنے کے بعد ہم برسلز شہر میں داخل ہوئے۔ اس کی خوبصورتی، طرز بناء، صفائی اور نفاست اور عظیم الشان بلند وبالا بلڈنگوں نے متاثر کیا۔ یورپ کے دیگر کیپٹلز میں میں نے اس قدر بلند عمارات نہیں دیکھیں۔ جس قدر کہ برسلز میں ہیں۔ یہاں پر بڑی بڑی کمپنیوں کے دفاتر، تاریخی میوزیم ہیں۔ اور سینکڑوں سال پرانے مجسمے، چوک، فوارے، بڑے بڑے شاپنگ سنٹرز ہیں۔ بلجیم کی ویسے تو اور بہت ساری خصوصیات ہیں۔ لیکن یہاں کے چاقو، چھریاں، کٹر، شیشہ اور چینی کے برتن دنیا بھر میں مشہور ہیں۔

ہم نے شہر کے مختلف حصے دیکھے۔ میوزیم بھی دیکھے، پارلیمنٹ ہاؤس بھی گئے۔ قدیم چرچ بھی دیکھے چونکہ وقت کم تھا، اور جگہیں دیکھنی بہت زیادہ تھیں۔ اس لئے سارے شہر کی گاڑی میں ہی سرسری جائزہ لینے پر اکتفاء کیا۔ بلجیم کے سب سے تاریخی اور مشہور مقام پر گئے، یہ شہر کے وسط میں بنے ہوئے چند محلات اور عمارتیں ہیں۔ اور ان کے درمیان والی جگہ ہے۔ جہاں پر ہر سال رنگارنگ تازہ پھولوں سے بہت بڑا قالین تیار کیا جاتا ہے۔ اور اس کو دیکھنے کیلئے یورپ بھر سے لوگ آتے ہیں۔

اس کے ساتھ ہی گلی میں ایک عورت کا مجسمہ ہے۔ اور اس کے بارے میں مشہور ہے کہ جو شخص بھی اس پر ہاتھ پھیرے اس کی ہر تمنا پوری ہوتی ہے۔ سیاحوں کے لشکر کے لشکر اپنی ضعیف الاعتقادی کا ثبوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دیتے ہوئے اپنا "دست عقیدت" پھیرنے کیلئے بے تابانہ قطاروں میں کھڑے تھے۔ اور گائیڈ حضرات جھوٹے افسانے سنا کر انہیں مزید بیوقوف بنا رہے تھے۔ میرے لیے یورپ میں یہ منظر بہت عجیب اور ناآشنا معلوم ہوا کہ ایک طرف تو مذہب سے اس قدر دوری اور سائنس و ٹیکنالوجی کے میدانوں میں اتنی ترقی اور دوسری جانب اس قدر دقیانوسی اور جاہلانہ توہم پرستی کا مظاہرہ-----

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حسن کرشمہ ساز کرے

بہرحال شام تک ہم بلجیم میں رہے۔ واپسی کے لئے دی ہیگ کی جانب رواں دواں ہوئے۔ رات ساڑھے نو بجے تک واپس ہیگ پہنچے۔ صبح فرانس جانے کے لئے میں نے ایمبیسی میں پاسپورٹ جمع کرایا۔ دوسرے دن پاسپورٹ پر ویزہ مل گیا۔ فرانس جانے کی تمنا اور خواہش مجھے پچھلی دفعہ ۱۹۹۳ء میں پہلی مرتبہ یورپ جانے کے وقت سے تھی۔ لیکن اس دفعہ مجھے لنڈن سے پیرس کا ویزہ نہیں لگا تھا۔ اور میں دل ہی مین اس کے دیکھنے کی تمنا لیکر پاکستان واپس ہوا تھا۔ خیر اس دفعہ ہیگ میں ویزہ لگ گیا تھا۔ یہاں سے پیرس کا ویزہ ضروری نہیں تھا۔ لیکن حفظ ماتقدم کے طور پر میں نے لگوالیا۔ اور ساتھ ہی ریلوے سٹیشن سے ٹکٹ بھی بک کروالیا۔ اسی دن ہم ہیگ کے قریب روٹاڈیم شہر پہنچے۔ یہاں پر یورپ کی سب سے بڑی بندر گاہ واقع ہے۔ ہم نے اس شہر کا چکر لگایا۔ ہمارے پہنچتے ہی بارش بھی شروع ہوگئی۔ اس لئے یہاں زیادہ دیر نہ ٹھر سکے۔ اس شہر کی سب سے خوبصورت اور قابل دید چیز ایروماسٹ (Aero Mast) نامی ٹاور ہے۔ یہ بلند وبالا مینار اس خوبصورتی سے تعمیر کیا گیا ہے۔ کہ عقل انسانی اس کی بلندی اور طرز تعمیر پر دنگ رہ جاتی ہے۔ اس کے پہلی منزل پر ایک خوبصورت ریسٹورنٹ ہے۔ جہاں سے آپ سمندر کی وسعتوں اور شہر کے نظاروں سے لطف اندوز ہوسکتے ہیں۔ مزید اوپر جانے کیلئے چھوٹی لفٹ لگائی گئی ہے۔ جو آپ کو ٹاور کے آخری سرے تک پہنچاتی ہے۔ لیکن اس میں بیٹھنے کے لئے بڑی ہمت اور دل گردے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اکثر لوگ ریسٹورنٹ تک رسائی کو غنیمت جان کر یہیں پر دم لینے اور "آب ودانہ" کھانے پر اکتفاء کر لیتے ہیں۔ اور کچھ اہل ہمت اس رزق پر موت کو ترجیح دے کر کوتاہی پرواز کا طعنہ برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہوتے۔ اور شاخ بلند تک پہنچ ہی جاتے ہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کی تعداد کم ہی ہوتی ہے۔ میں نے بھی اس مینار کا فطرتاً مہم جویانہ طبعیت سے مجبور ہوکر ٹکٹ لے لیا۔ کیونکہ میں نہیں چاہتا تھا کہ اس تاریخی مینار کو بغیر سر کیئے چھوڑ دوں۔

میں نے دہلی کے قطب مینار کو صغرسنی کے باوجود سر کیا۔ اور حضرت والد صاحب کو بھی مجبور آ اپنے ساتھ اوپر لے گیا تھا۔ اسی طرح قاہرہ میں برج القاہرہ نامی عظیم مینار کے آخری منزل تک چڑھا تھا۔ مینار پاکستان کا تو کچھ ذکر ہی نہیں۔ سب سے بلند ترین مینار ایفل ٹاور کے آخری سرے تک پہنچ کر ہی دم لیا-----بہرحال شام کو واپسی ہوئی۔ بارہ دن ہالینڈ میں گزارنے کے بعد اب مجھے اگلی منزلیں پکار رہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تھیں۔

مراد منزل جاناں چہ امن و عیش چوں ہر دم   جرس فریاد می دارد کہ بر بندید محملہا

دوسرے دن چار بجے ہیگ کے سٹیشن سے میں تنہا روانہ ہوا۔ رشتہ داروں کو الوداع کہا۔ اور ٹرین میں اپنے ساتھ ہالینڈ کی خوشگوار یادوں، اپنے میزبانوں کی محبت اور انکے خلوص اور چاہتوں اور اپنے سامان کے بار گراں سمیت داخل ہوا۔ لیکن سیٹ بہت آگے والے ڈبہ میں تھی۔ اس قدر سامان کے ساتھ وہاں تک جانا بھی ایک صعب امر تھا۔ جب میں نے اپنی نشست سنبھالی اور اندرون خانہ نگاہ دوڑائی تو بلاشبہ یہ ٹرین ہمارے VVIP حضرات کے جہازوں سے بھی نفیس تر تھی۔ اس کی سیٹیں بھی ہوائی جہاز کی سیٹوں سے بدرجہا بہتر تھیں۔

اگرچہ اس ٹرین کا ٹکٹ مہنگا تھا لیکن پھر بھی سہولیات اور تیز رفتاری کے اعتبار سے کچھ زیادہ نہیں تھا۔ تقریباً ایک سو بیس گلڈر ہمارے میزبان نے پیرس تک ادا کر دیئے تھے۔ ڈبے میں بڑے بڑے شیشے نصب تھے۔ جس سے باہر کے مناظر بڑے خوبصورت لگتے تھے۔ تمام راستہ میں ان حسین اور دلکش مناظر سے محظوظ ہوتا رہا۔ راستہ میں کہیں بارش تھی تو کہیں دھوپ۔۔۔۔ دھوپ چھاؤں کا یہ خوشگوار سفر تقریباً ۴ گھنٹے تک جاری رہا۔ ہالینڈ میں ہماری ٹرین سرسبز کھیتوں کے درمیان سے گزر رہی تھی۔ کسان جدید ترین زرعی مشینوں کے ذریعے کام کر رہے تھے۔ ٹرین ایک دو جگہوں پہ ایک آدھ منٹ کے لئے سواریوں کو اتارنے کے لئے رکی۔ اور پھر برق رفتاری سے منزلوں پہ منزلوں کو پھلانگتی ہوئی چلتی رہی۔ میں راستے بھر یورپ کی مادی اور سائنسی ترقی اور اخلاقی تنزل کے متعلق سوچتا رہا۔ اگرچہ یہ لوگ بھاپ ایندھن اور بجلی کی بدولت بہت آگے جا چکے ہیں۔ لیکن دوسری جانب حیاء سے عاری، مذہب سے بیزاری اور اخلاقی قدروں کی پامالی نے ان کو ہلاکت کی آخری سرحدوں پہ پہنچا دیا ہے۔

اہل مغرب دو متضاد راستوں پہ چل پڑے ہیں۔ اور دونوں پہ حد سے زیادہ تیز رفتاری کا نتیجہ مجھ سمیت آج ہر کوئی محسوس کر رہا ہے۔

ؔ حادثہ وہ جو ابھی گردش افلاک میں ہے
عکس اس کا میرے آئینہ ادراک میں ہے

میں انہی سوچوں میں گم تھا اور راستہ کٹ رہا تھا۔ ٹرین کی رفتار حیران کن حد تک زیادہ تھی لیکن اندر کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ صرف حسین مناظر تھے جو کسی خوبصورت خواب کی مانند شیشوں کے سامنے تیزی سے گزر رہے تھے۔ گاڑی میں ضروریات زندگی کا تمام سامان موجود تھا۔ کھانے پینے کا علیحدہ ڈبہ تھا۔ ٹرین کے ہر ڈبے میں انٹرنیشنل ٹیلی فون کی سہولت بھی موجود تھی۔ چلتی ہوئی گاڑی سے آپ دنیا کے کسی بھی حصے میں فون کر سکتے تھے۔ راستہ بھر میں پیرس کے بارے میں سوچتا رہا۔ کہ آیا سٹیشن پہ کوئی لینے آیا بھی ہو گا یا نہیں۔ انہی وساوس اور اوہام میں مستغرق تھا۔ کہ اتنے میں فرینچ زبان میں اناؤنسمنٹ ہوئی کہ پیرس کا اسٹیشن قریب پہنچ چکا ہے۔ (((جاری ہے)))۔

© rasailojaraid.com